تاریخ خط نسخ

پروفیسر حافظ احمد یار*

اسلامی تہذیب و حضارت کے پیدا کردہ فنون میں سے فن خطاطی ایک پاکیزہ اور لطیف ترین فن ہے۔ کسی بھی قوم نے خط کے بارے میں اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا مسلمانوں نے' اور نہ ہی ان سے پہلے خط میں آرائش اور تنوع کے اتنے پہلو کسی نے پیدا کیے۔ کتابوں میں اسلامی خط کی اسی (۸۰) سے زائد اقلام یعنی اسالیب و انواع کا ذکر ملتا ہے۔[1] اور اگرچہ یہ ایک غیر محصور سلسلہ ہے اس لحاظ سے کہ اس معاملے میں "اجتہاد" کا دروازہ کبھی بند نہیں سمجھا گیا تاہم اسلامی فن خطاطی کی بنیادی اقسام تین یا چار ہی قرار دی جاسکتی ہیں۔ خط نسخ کو ان میں ایک نہایت اہم اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

اسلامی خطاطی کے بارے میں بالعموم لیکن خط نسخ کی تاریخ کے بارے میں بالخصوص کچھ بیان کرنے سے پہلے اس فن کے ماخذ کا ذکر ضروری ہے۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عرب اور خصوصاً حجاز میں اس کی کیفیت کیا تھی۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس زمانے تک اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا نہ صرف یہ کہ رواج عام نہ تھا بلکہ اسے حافظے کی کمزوری کی علامت قرار دے کر ناپسندیدہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے کے خام اور حسن و فن سے عاری خط کی شکل کو پسند بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض جاہلی شعراء نے دیار محبوب کے کھنڈرات اور اجاڑ مقامات کو کاغذ وغیرہ پر مکتوب تحریر سے تشبیہ دی ہے۔[2] بہر کیف مختلف معاشرتی اور اجتماعی اسباب و عوامل نے اپنی ناخواندگی پر فخر کرنے والی اس قوم (عرب) کے بعض افراد کو خطاطی کے لیے آمادہ کیا۔ اس وقت حجاز میں جو خط عام طور پر رائج تھا اسلام کی بدولت اسی خط کو ارتقاء و عروج کی وہ منزلیں طے کرنا نصیب ہوئیں' جسے ہم مجموعی طور پر اسلامی خطاطی کہتے ہی۔ قبل از اسلام اسی حجازی عربی خط کی اصل کے بارے میں مسلمان مورخین نے عموماً تین نظریے پیش کیے ہیں:

---

* سابق صدر ادارہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

(۱) پہلا نظریہ "توقیف" کا ہے۔ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ساری زبانوں کی کتابت سکھائی۔ چنانچہ انہوں نے زبانوں کی ابجد الگ الگ تختیوں پر لکھ کر اپنی اولاد کے لیے رکھ لی۔ طوفان نوحؑ میں ان میں سے کئی تختیاں گم ہوگئیں۔ ازاں جملہ عربی خط کی تختی بھی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وحی کے اشارے سے اسے دریافت کیا اور یوں سب سے پہلے عربی خط اور کتابت کا آغاز ہوا۔ اور یہی خط قبل از اسلام عرب میں رائج تھا۔[۳] اس نظریے کی بنیاد کسی علمی یا صحیح تاریخی سند پر قائم نہیں ہے۔ مشہور مورخ ابن خلدون نے اس نظریے کی خامی کو بھانپ لیا تھا' اسی لیے اس نے "مقدمہ" میں خط کو دوسرے معاشرتی و اجتماعی فنون و صنایع کی طرح ایک صنعت قرار دیا جو توقیف کی نہیں بلکہ معاشرتی و اجتماعی ارتقاء اور اس کی ضروریات کی پیداوار ہے۔[۴] بہرحال تاریخی لحاظ سے اس نظریے میں غالباً اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ عرب مستعربہ (وہ لوگ جو زمانہ قدیم میں باہر سے عرب آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے) میں سے سب سے پہلے حضرت اسماعیل نے عرب عاربہ (عرب کے اصل قدیم باشندوں) سے عربی زبان کا بولنا اور لکھنا سیکھا۔[۵]

(۲) دوسرا نظریہ جنوبی حمیری نظریہ ہے۔ اس کے مطابق قبل از اسلام کا حجازی خط قدیم حمیری یا "خط مسند" سے نکلا ہے جو جنوبی عرب خصوصاً یمن کا قدیم ترین خط تھا۔ ممکن ہے یہ یمن سے براہ راست حجاز میں پہنچا ہو۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ سبا و حمیر اور تبابعہ یمن کے عہد میں (اندازاً ۲۰۰ ق ۔ م) یمنی حضارت و ثقافت عروج پر تھی اور عرب کے بعض شمالی علاقے بھی سیاسی طور پر ان کے زیر اثر تھے۔ چنانچہ اسی عہد میں یہ خط یمن سے حیرہ کے نواحی علاقوں میں پہنچا۔ اور پھر وہاں سے حجاز میں آیا۔[۶] اس نظریے کی تردید میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ زمانہ زیر بحث کے حجازی خط اور اس قدیم حمیری خط کے جو محفوظ نمونے ہم تک پہنچے ہیں ان میں قطعاً کوئی مناسبت یا تعلق نظر نہیں آتا۔[۷] خود ابن خلدون نے بھی حجاز کے قریشی خط اور خط مسند کے درمیان اس نمایاں فرق کا ذکر کیا ہے۔[۸]

(۳) حجازی خط کے اصل کے بارے میں تیسرا نظریہ مورخ بلاذری نے پیش کیا ہے۔[۹] اس کے مطابق شمالی عرب کے تین آدمیوں نے یہ خط سریانی زبان سے اخذ کرکے ایجاد کیا۔ انبار و حیرہ اس خط کے پہلے مرکز بنے اور وہاں سے بشر بن عبدالملک صاحب "دومۃ الجندل" یا بقول ابن الندیم[۱۰] ابو قیس بن عبد مناف کے ذریعے یہ حجاز پہنچا۔ مجموعی طور پر یہ نظریہ موجودہ تحقیقات سے قریب تر ہے۔ البتہ خاص اشخاص کے ہاتھوں ایجاد یا انتقال کی روایت غیر معقول ہے۔ اہل حجاز کے شمالی اور جنوبی عرب کے ساتھ تجارتی تعلقات جسے قرآن کریم نے "رحلۃ الشتاء و

الصیف"[11] کہا ہے۔۔ اور تجارتی اغراض ہی دراصل انتقال خط کا ذریعہ بنے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خط مراکز ثقافت سے ہی پہنچا ہوگا۔ اسلام سے صدیوں پہلے عرب کے شمال میں وادی فرات ۔۔ سوریا اور نبط و حوران ۔۔ اور جنوب میں یمن اس قسم کے مراکز ثقافت رہے ہیں۔[12] اس زمانے کے حجازی خط پر نبطی خط کی چھاپ بہت زیادہ ہے۔ اس کی تائید وادی "حران" مدائن صالح اور وادی سیناء کے بعض آثار اور امرؤالقیس کی قبر کے کتبے سے ہوتی ہے۔[13] اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلے حجاز میں جو خط رائج ہوا وہ اسی شمالی نبطی خط کی ایک شکل تھی۔ چنانچہ عصر نبوی ﷺ کے خط کو نبطی' حیری اور انباری خط کہنے کی وجہ بھی یہی ہے۔[14] خود نبطی خط شمالی عرب قبائل نے قدیم آرامی خط سے نکالا تھا۔[15] بصری (Petra) کی نبطی حکومت (۱۶۹ تا ۱۰۶ ق ۔ م) کے مٹ جانے کے بعد بھی یہ خط شمالی عرب میں رائج رہا۔[16] یثرب (مدینہ منورہ) میں پانچویں صدی میلادی تک نبطیوں کا ایک سالانہ میلہ لگا کرتا تھا۔

حجاز میں یہ خط شمال سے آیا ہو یا جنوب سے' یہ حقیقت ہے کہ تیسری اور چھٹی صدی میلادی یعنی اسلام سے پہلے کی دو صدیوں کے درمیان یہ خط حجاز میں اپنی اصلی صورت میں رائج تھا۔[17] اس کے بعد اس کی تاریخ کا اسلامی دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کے ساتھ یہ خط جب حجاز سے دوسرے شہروں اور علاقوں میں منتقل ہوا تو ابتدا میں اسے حجازی یا مکی یا مدنی خط کہا گیا۔[18]

نبطی خط' جو جدید ترین عملی تحقیقات کے مطابق حجازی خط کی اصل تھا' کی بھی دو شکلیں رائج تھیں ---- ایک زاویہ دار خط جس کے حرفوں میں گولائی نہیں ہوتی تھی بلکہ زاویے نمایاں ہوتے تھے۔ یہ خط زیادہ تر عمارتوں کے کتبات اور شاہی فرامین وغیرہ میں استعمال ہوتا تھا۔ دوسری صورت عوامی تھی۔ اس میں حروف کے زاویے گولائی کی طرف مائل ہوتے تھے۔ حجاز میں جو عربی خط قبل از اسلام رائج تھا اس دوسری قسم کے عوامی خط سے ملتا جلتا تھا۔[19] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو تین محفوظ نامہ ہائے مبارک میں سے کم از کم دو کے اندر حروف میں اس گولائی یا استدار کا عنصر موجود ہے۔ ایک اور تحریر جو محفوظ ہے وہ ۲۲ھ کا ایک فرمان ہے جو عمرو بن العاص گورنر مصر کے ایک ماتحت افسر کی طرف سے اھنا سیہ (مصر) کے باشندوں کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس مین بھی حروف میں گولائی موجود ہے۔[20] خیال ہے کہ عہد عثمانی کے مصاحف بھی اسی عوامی حیری یا نبطی خط میں تھے۔ بعض محققین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان بنام مقوقس کی اصلیت پر اسی بنا پر اعتراض کیا ہے۔[21] کہ اس کا رسم الخط اس زمانے کے عوامی عربی خط' جسے خط تدوین یا عام کاروباری خط بھی کہا جاتا ہے' سے مختلف ہے بلکہ اس میں زاویوں کا نکھار قدیم اور ابتدائی کوفی خط سے زیادہ مشابہ ہے۔ تاہم یہ احتمال بھی قابل غور ہے کہ اہل حجاز

بھی نبطیوں کی طرح شاہی فرامین اور دیگر اہم تحریروں میں خط کے اندر تھوڑا بہت "فنی جمال" کا اظہار کرتے ہوں گے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں گولائی کی بجائے حروف میں زاویوں کی وضاحت ہی "فن" شمار ہوتا تھا' اور جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے' خط کوفی میں یہی فرق ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ یوں فرامین نبوی میں سے بعض کے اندر زاویہ دار حروف کی موجودگی کی ایک اور توجیہ بھی کی جاسکتی ہے۔ جب ہم عہد نبوی ﷺ کے حجازی خط کی اس "دائرہ دار" (مستدیر) شکل کا ذکر کرتے ہیں تو اس دائرے سے مراد وہ فنی کمال نہیں ہے جو بعد کے خطوں خصوصاً" نستعلیق میں ظاہر ہوا' بلکہ اس سے مراد صرف زاویوں کا پوری طرح ظاہر ہونے کی بجائے ان میں ایسی گولائی پیدا ہوجانا ہے جو اظہار فن کے لیے نہیں' بلکہ روزمرہ کی ضروریات اور عجلت و سرعت کا نتیجہ تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ رسول اکرم نے کتابت کی ترویج و اشاعت پر خصوصی توجہ فرمائی تھی۔ نفس کتابت کی اہمیت اور تعلیم کتابت کی تلقین اور اس کے اہتمام پر قرآن و حدیث میں بہت کچھ مواد ہے' مگر خط میں حسن و جمال پیدا کرنے کے بارے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ہدایات مروی ہیں۔[۲۲] حضور کی وفات تک مسلمانوں کے اندر تعلیم کتابت کی ضرورت کا احساس اور شوق عام ہوچکا تھا۔ یہیں سے دوسرے اسلامی علوم کی طرح عربی خط کے ارتقاء کا بھی نیا دور شروع ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر کے زمانے میں عربی خط عرب سے باہر نکلا۔ اس زمانے میں فوج کا تمام سیکرٹریٹ عربی زبان میں تھا۔[۲۳] حضرت عمر ہی کے زمانہ خلافت میں کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں آباد ہوئیں۔ ان چھاؤنیوں کے نام تو ان کے ارد گرد کے علاقے کی زمین کی خصوصیات کی بنا پر رکھے گئے۔[۲۴] مگر حالات نے بہت جلد ان شہروں کو عربی تہذیب و ثقافت جس میں عربی خط بھی شامل تھا کا مرکز بنا دیا۔

عربی خط نے اسلام کے زیر سایہ سب سے پہلے جو نیا جمالیاتی لباس پہنا اسے خط کوفی کہا جاتا ہے۔ بعض روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو سب سے پہلے آپ نے ہی وہاں خط کی یہ قسم ایجاد کی اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔ اس کے بارے میں سلطان علی مشہدی کا ایک مشہور شعر ہے:

مرتضٰی اصل خط را کرد بیدار و داد نشوونما

حضرت علی سے خط کی تعلیم و تحسین کے سلسلے میں بہت سی ہدایات مروی ہیں۔ ازاں جملہ "ادبوا اولادکم بحسن الخط فانہ من مفاتیح الرزق" زیادہ مشہور ہے۔ اس کے

علاوہ خط کی تعریف' دوات میں صوف ڈالنے کا طریقہ' قلم کی بناوٹ کے قواعد اور فن خطاطی کے بعض بنیادی اصول آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں' بلکہ آپ کا بذریعہ خواب قلم کا قط محرف بنانے اور میر علی تبریزی کو بطخ کی شکل دکھا کر خط نستعلیق سکھانے کی روایت بھی موجود ہے۔[۲۵] سلسلہ ہائے طریقت کی طرح اکثر بڑے خطاطوں کا شجرۂ اساتذہ بھی حضرت علیؓ پر منتہی ہوتا ہے۔[۲۶] باقی باتوں کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں تو' ہم (سردست) کچھ کہہ نہیں سکتے' لیکن جہاں تک خط کوفی کی ایجاد کا تعلق ہے' یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خط کوفی اپنی ابتدائی شکل میں خود شہر کوفہ کے آباد ہونے سے بھی کم از کم ایک سو سال پہلے موجود تھا۔[۲۷] یہ وہی نبطی زاویہ دار خط تھا جس کا عمارتی کتبات اور شاہی فرامین وغیرہ اہم تحریروں میں استعمال کا ذکر ہم ابھی کر آئے ہیں۔ حضرتؑ علیؓ ان چند صحابہ میں سے تھے جو اپنے زمانے کے عربی خط کے ماہر تھے۔ ابن الندیم نے حضرت علیؓ کی تحریروں اور مکتوب مصحف کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔[۲۸] آپ کے حسن خط کے خداداد ذوق سے یہ کچھ بعید نہیں کہ آپ نے عربی خط اور خصوصاً" کتابت مصاحف کے لیے اس "زاویہ دار" طرز تحریر کو پسند فرمایا ہو' جو اس زمانے میں نہ صرف اظہار فن کی' بلکہ اس کتاب یا مکتوب کی عظمت کی' علامت سمجھی جاتی تھی' جسے اس طرز تحریر میں لکھا گیا ہو۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کوفہ' حیرہ اور انبار کے قریب ہی آباد ہوا تھا اور حیرہ اور انبار قبل از اسلام اس طرز تحریر کے مرکز شمار ہوتے تھے۔ ان شہروں کے اکثر باشندے اب ان نئے شہروں (کوفہ اور بصرہ) میں آباد ہو گئے تھے۔[۲۹]

بہرحال حضرت علیؓ نے اس کا رواج ڈالا ہو یا دیگر عوامل نے' حجازی عربی خط نے کوفہ ہی میں سب سے پہلے فنی اور جمالیاتی راستہ اختیار کیا اور اسی لیے یہ "نئی" طرز تحریر عالم اسلام میں خط کوفی کے نام سے مشہور ہوئی۔ کوفہ اور بصرہ کی علمی مناقشت و رقابت کے باوجود خود اہل بصرہ نے بھی اسی خط کو اپنایا اور اس خط کی ترقی اور فروغ کا سبب بنے مگر خط کے نام پر کوفہ کی مہر ہی ثبت رہی۔ چنانچہ خط کوفی کو ابتدائی تین سو سال تک عالم اسلامی کے کامل ترین خط کا درجہ حاصل رہا۔[۳۰] اس عرصے میں اس نے ارتقاء کے کئی مراحل طے کیے۔ اس دور میں عربی خط میں اعجام اور شکل (نقاط اور حرکات) ایجاد ہوئے۔[۳۱] اور مختلف اقسام کا کاغذ ایجاد ہوا جس نے خط کے ارتقاء پر بھی اثر ڈالا۔[۳۲] مختلف ملکوں کے خطاطوں نے خط کوفی میں علاقائی خصوصیات پیدا کیں۔[۳۳] مثلاً ایرانی کوفی خط میں' مصر و عراق کی نسبت' عمودی خطوط افقی خطوط کے مقابل زیادہ نمایاں رکھے جاتے تھے۔ دنیا کے مختلف عجائب خانوں میں دوسری صدی ہجری سے لے کر آٹھویں نویں صدی ہجری تک لکھے ہوئے خط کوفی کے جو مصاحف ملتے ہیں ان سے اس خط کے

ارتقاء اور اس کی انواع و اقسام پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب تک خط کوفی کو عروج حاصل رہا' مصاحف صرف اسی خط میں لکھے جاتے رہے۔[۳۴] بلکہ اس خط کے عروج کا بڑا سبب بھی یہی تھا کہ یہ خط کتابت مصاحف کے ساتھ مخصوص ہوگیا۔

خط کوفی کے اس ارتقاء و عروج میں یقیناً سینکڑوں فرزندان اسلام نے حصہ لیا۔ مگر تاریخ نے چند مشاہیر کے نام خاص طور پر محفوظ کیے ہیں۔ (اس فہرست میں کتاب النبیؐ یا دیگر کاتب صحابہؓ اور تابعین کا ذکر نہیں کیا گیا' کیونکہ ان کے وقت تک "فنی جمال" پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔ البتہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ہی ماہرین نے اس طرف توجہ مبذول کی)۔ جملہ دوسرے خطاطوں میں خالد بن الھیاج کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ ولید بن عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک موجود تھا۔[۳۵] کہتے ہیں کہ اس نے مسجد نبوی میں آب زر کے ساتھ خط کوفی میں سورۂ "والشمس" لکھی تھی جو صدیوں تک محفوظ رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے اس نے ایک مصحف لکھا۔ جب یہ مصحف ان کے سامنے لایا گیا تو وہ اس کا خط دیکھ کر حیران رہ گئے اسے بار بار چوما اور آنکھوں سے لگایا اور بالاخر یہ کہہ کر واپس کردیا کہ "اس کا انعام دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"[۳۶] ابن الندیم نے خالد کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔[۳۷] مشہور صوفی تابعی مالک ابن دینار (المتوفی ۱۳۱ھ) بھی اپنے زمانے کے نامور خطاط تھے اور اجرت پر قرآن پاک لکھا کرتے تھے۔[۳۸] قطبۃ الحرر بنی امیہ کے آخری دور کا ایک اور مشہور خطاط تھا۔ اس نے سب سے پہلے خط کوفی میں کچھ ایسی تبدیلیاں کیں جنہیں خط نسخ کی ایجاد کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے۔[۳۹] ابتدائی عباسی دور کے دو چوٹی کے خطاط ضحاک بن عجلان الشامی (معاصر سفاح) اور اسحاق بن حماد (معاصر مہدی و منصور) تھے۔ اس زمانے تک عربی خط کی بارہ کے قریب اقلام وجود میں آگئی تھیں۔ مگر مجموعی طور پر ان سب پر خط کوفی کا اسلوب ہی غالب تھا۔ خشنام البصری اور مہدی الکوفی بھی اس دور کے نامور خوشنویس تھے۔[۴۰] اسحاق بن حماد (مذکور) کے بے شمار تلامذہ تھے۔ ان میں سے مشہور ترین دو بھائی ابراہیم الشجری اور یوسف الشجری تھے۔[۴۱] یوسف مامون کے وزیر فضل بن سہل ذوالریاستین کا خاص کاتب تھا اور ابراہیم الشجری کا ہی ایک شاگرد ابراہیم عرف الاحول المحرر تھا جو اپنے زمانے کا امام فن شمار ہوتا تھا۔ اس نے کئی طرزیں اور اسالیب (اقلام) ایجاد کیے۔ اسی ابراہیم (الاحول المحرر) کے تلامذہ میں سے ابو علی محمد بن علی بن الحسین بن محمد بن مقلہ تھا۔[۴۲] جسے بجا طور پر موجودہ خط نسخ کا بانی کہا جاسکتا ہے اور جس کا ذکر ہم ذرا تفصیل سے کرنا چاہتے ہیں۔

ابن مقلہ کے آباء واجداد عجمی النسل تھے۔ غالباً شیراز سے تعلق رکھتے تھے' مگر بغداد میں

آباد ہوگئے تھے۔ محمد بن مقلہ ۲۷۲ھ میں وہیں پیدا ہوا۔[۴۳] ابن مقلہ نے اپنے زمانے کے تمام رائج الوقت علوم تفسیر' حدیث' فقہ اور ادب و شعروغیرہ سیکھنے کے علاوہ خطاطی اور نئے خطوں کی ایجاد میں خاص طور پر نام پیدا کیا۔ ابتدا میں کچھ عرصے کے لیے وہ بنو حمدان کے ساتھ بھی منسلک رہا۔ ابن خلکان نے ایک موقع پر سیف الدولہ کے ہاں ابن مقلہ کے مخطوطہ کے سینکڑوں اوراق کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔[۴۴] اپنے علمی و فنی کمال کے باعث بہت جلد اس کی شہرت دربار خلافت تک پہنچی۔ چنانچہ خلیفہ مقتدر باللہ نے پہلے اسے مختلف عہدے سپرد کیے اور بالاخر اسے اپنا وزیر بنالیا۔ عباسی خلافت اس وقت روبہ زوال تھی اور درباری امراء و وزراء کے سیاسی جوڑ توڑ حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ اس سیاسی بازیگری کا شکار ہوکر ابن مقلہ وزارت سے معزول ہوکر قید ہوا مگر بہت جلد دوبارہ (۳۱۶ھ میں) اگلے خلیفہ قاہر باللہ نے اسے اپنا وزیر بنالیا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ دوبارہ معزول اور شہربدر کردیا گیا۔ اس کے بعد اگلے خلیفہ الراضی باللہ کے عہد میں وہ تیسری بار پھر وزیر مقرر ہوا مگر اس ناجوانمرد خلیفہ نے کچھ عرصے کے بعد نہ صرف ابن مقلہ کو معزول ہی کردیا بلکہ اپنے بدذات وزیر ابن رائق کی سازشوں سے اس نابغہ روزگار خطاط کا دایاں ہاتھ بھی کٹوا دیا اس کے باوجود ابن مقلہ نے بہت جلد اپنے مقطوع ہاتھ کے ساتھ قلم باندھ کر --- نیز بائیں ہاتھ سے --- لکھنے میں ایسی مہارت پیدا کرلی کہ اس کے خط میں وہی کمال زیبائی اور شکوہ پیدا ہوگیا جو پہلے تھا۔ مگر دربار میں اس کے حاسدوں کی ریشہ دوانیوں نے اسے چین نہ لینے دیا' حتیٰ کہ خلیفہ نے اس کی زبان بھی کٹوا کر پہلے تو اسے قید کردیا اور بالاخر ۳۲۸ھ میں اسے قتل کروا دیا۔[۴۵]

اسلامی خطاطی کی تاریخ میں ابن مقلہ پہلا شخص ہے جس کا نام حسن خط کے لیے آئندہ نسلوں میں ضرب المثل کے طور پر لیا جانے لگا۔ شعرا عموماً" اپنے ممدوح کی خوش خطی کی تعریف کرتے ہوئے ابن مقلہ پر ہاتھ صاف کرتے تھے' مثلاً یہ شعر:

محقق است کہ اگر ابن مقلہ زندہ شود
تراشہ قلمش را بہ مقلہ بردارد

سعدی اور ذوق کے ہاں بھی اسی قسم کے اشعار ملتے ہیں۔[۴۶] بعض شعرا نے ابن مقلہ کی ضرب المثل خطاطی کے ذکر اور حوالے کو اپنے اشعار میں جدت مضمون کا ذریعہ بنایا ہے' مثلاً یہ شعر:[۴۷]

تسلسل دمعی فوق خدی اسطرا
و لا عجب من ذاک و هو ابن مقلة

اور مثلاً یہ شعر جس میں ابن مقلہ کا محض خوبی خط کی بنا پر دنیا کے مشہور ترین اہل کمال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔[۴۸]

فصاحة سحبان و خط ابن مقلة
و حکمة لقمان و عفة مریم
اذا اجتمعت فی المرء و المرء مفلس
و نودی علیه لا یباع بدرهم

ابن مقلہ محض ایک خطاط اور خوشنویس کی حیثیت سے ہی مشہور نہیں ہوا۔ اس کی عظمت اور شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ اس نے خطاطی میں بعض ایسی انقلاب انگیز تبدیلیاں کیں جن کا اثر اب تک موجود ہے۔ ابن مقلہ کو خط سے حقیقی عشق تھا۔ وہ وزیر رہا یا گوشہ نشین، جیل میں رہا یا گھر میں، ہر جگہ اس نے خط کے کمال کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ ہمیشہ اس فن میں نئی معراج کمال کی تحصیل کے درپے رہا۔ یہ اس شغف ہی کا نتیجہ تھا کہ اسے ہمیشہ کے لیے امام الخطاطین کا درجہ حاصل ہوگیا۔ ابن مقلہ پہلا شخص ہے جس نے عربی خط کے اصول و قواعد مقرر کیے اور حروف کی تحریر میں قلم کے قط کو ناپ کی اکائی قرار دیا۔[۴۹] قلم کے قط کے حساب سے اس نے سب سے پہلے حرف الف کے لیے ۱:۶ کی نسبت قائم کی جسے "نسبت فاضلہ" کہتے ہیں، کیونکہ طول و عرض کی یہی نسبت بہترین انسانی قامت میں پائی جاتی ہے۔ بعد کے آنے والے خطاطوں نے اس "نسبت فاضلہ" کے لیے ۱:۷ اور ۱:۸ کو بھی معیار مقرر کیا اور غالباً موخر الذکر (۱:۸) ہی ان میں سے واقعی نسبت فاضلہ ہے مگر اس تصور کا بانی ابن مقلہ ہی تھا۔[۵۰] ابن مقلہ کئی برس تک حروف کی سطح اور ان کے دور کو مختلف نسبتوں میں تقسیم کرکے ایک نئے خوب صورت خط کی ایجاد میں کوشاں رہا۔ اس کے زمانے میں خط کوفی کی سطح اور دور میں عموماً ۱:۱ کی نسبت رائج تھی۔ ابن مقلہ نے سطح اور دور میں ۵:۱، ۳:۱، ۱:۳ اور ۲:۱ کے تجربے کیے۔ ان میں سے ہر ایک خط (اور ان سب اقسام کے لیے مستقل اصطلاحی نام موجود ہیں) اپنی جگہ خوبصورت تھا۔ مگر ابن مقلہ کے فنی تجربہ اور ذوق سلیم نے آخری نسبت (۲:۱) کو ترجیح دی۔ اور اسی کے پیش نظر اس نے اس خط کے اصول و قواعد وضع کیے جسے اب ہم خط نسخ کہتے ہیں۔[۵۱] دوسری بار وزیر بننے سے پہلے وہ یہ خط ایجاد کرچکا تھا۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن مقلہ نے ہی ابجد کی قدیم ترتیب کو، جو اب ابجد ھوز حطی کلمن ---- الخ پر مشتمل ہے، بدل کر اس

کی موجودہ ترتیب کو رواج دیا' کیونکہ خطاطی کی مشق کے نقطہ نظر سے یہ ترتیب زیادہ مفید تھی۔ اس کے علاوہ اس نے ایک خاص قسم کی سیاہی بھی ایجاد کی تھی۔[۵۲] ابن مقلہ کا باپ علی بن حسین اور اس کا دوسرا بھائی عبداللہ بن مقلہ بھی اپنے عہد کے نامی خطاط تھے اور ان کی اولاد میں بھی کئی مشہور خطاطوں کا ذکر ملتا ہے۔[۵۳]

خط نسخ کی ایجاد نے اسلامی خطاطی میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا۔ اس زمانے تک خط کوفی میں اس قدر "فنیت" پیدا ہوگئی تھی کہ وہ عام استعمال کا خط نہیں رہا تھا۔ عام کتب سادہ کوفی میں لکھی جاتی تھیں جس میں وہ جمال نہیں تھا۔ جو فنی خط میں تھا۔ مگر فن کوفی خط نے "خط" سے زیادہ "آرائش" کی جگہ حاصل کرلی تھی۔[۵۴] خط کوفی کی اس آرائشی نوعیت کی جاذبیت اگرچہ اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس زمانے کے بعض عیسائی بادشاہوں نے اپنے سکوں پر کلمہ "بخط کوفی" اختیار کیا۔ بعض صلیبوں' مریم و عیسیٰ کی تصویروں' گرجاؤں کی دیواروں حتیٰ کہ سینٹ پیٹرز کے بڑے دروازے تک پر خط کوفی میں کلمہ یا بسم اللہ لکھی گئی۔ عیسائی انہیں صرف آرائش کے عمدہ نمونے سمجھ کر اختیار کرتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ کوئی بامعنی عبارت ہے۔[۵۵] فنی آرائش کی یہ جاذب نظر مگر ارستقراطی افراط ہی خط کوفی کے زوال کا باعث بن گئی۔ نسخ نے تحریر میں ایک نیا جمال پیدا کیا۔ اب خطاطی کا مقصد تحریر ہوگیا نہ کہ محض نقاشی۔ نسخ نے ثابت کردیا کہ حروف کی اصلی شکل بحال رکھتے ہوئے خط میں جمال پیدا کیا جاسکتا ہے نہ کہ حروف کو بگاڑ کر۔[۵۶] خط نسخ ایک طرح سے اوائل اسلام میں رائج عوامی خط تدوین یا عام حجازی خط ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت تھی۔ اس خط نے سادگی میں جمال' جمال میں افادیت اور افادیت کے لیے سہولت قرات اور حروف میں عدم التباس کے اصولوں کو اپنے اندر جمع کرلیا تھا۔

ابن مقلہ کو خط نسخ کی ایجاد اور اس کے بنیادی اصول و قواعد کی اختراع میں تقدم کا شرف ضرور حاصل ہے مگر اس کے بعد اس خط نے بڑی تیزی کے ساتھ رواج اور تطور کی منزلیں طے کیں۔ حتیٰ کہ ابن مقلہ کی وفات کے ایک سو سال بعد ہی' جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے' یہ خط صوری جمال اور فنی کمال کی معراج پر پہنچ گیا۔ کوئی شخص جب تک خط نسخ اور ثلث (جو ایک طرح سے نسخ ہی کی ایک مرصع شکل ہے) کا ماہر نہ ہوتا' خطاط نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خط نسخ کی سب سے بڑی فتح یہ تھی کہ بہت جلد اس نے کتابت مصاحف کے لیے خط کوفی کی جگہ لے لی۔ پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے ہی خط کوفی کا رواج کم ہونے لگا۔[۵۷] صرف عنوان نگاری اور عمارتی کتبات اور دیگر آرائشی مقاصد کے لیے کوفی خط کا رواج کچھ عرصہ چلتا رہا مگر دو تین صدیوں ہی میں خط کوفی ایک قصہ پارینہ بن گیا۔[۵۸] مصاحف اور کتب دینیہ کے لیے خط نسخ اور تمام

آرائشی اغراض کے خط ثلث کا رواج عام ہوگیا۔ ابن مقلہ نے جب یہ خط ایجاد کیا تھا تو اس نے اس کا نام "خط بدیع" رکھا تھا مگر کتابت مصاحف کے لیے استعمال ہونے کی وجہ سے ہی اس خط کا نام نسخ مشہور ہوگیا کیونکہ ہمیشہ ایک قرآن مجید دوسرے سے نقل کیا جاتا ہے۔[۵۹] گذشتہ ایک ہزار سال سے خط نسخ کو ہی عالم اسلام کے کامل ترین خط کا درجہ حاصل ہے اور صرف یہی وہ رسم الخط ہے جو مشرق و مغرب میں ہر جگہ یکساں متعارف ہے۔

ابن مقلہ کے بے شمار تلامذہ میں سے مشہور ترین خطاط عبداللہ بن اسد ابن علی القاری اور محمد ابن السمسانی (المتوفی ۳۵۰ھ) تھے۔[۸۰] پھر ان دونوں خصوصا ابن اسد سے قبلۃ الکتاب ابوالحسن علی بن ہلال المعروف بابن البواب نے خط سیکھا۔[۶۱] ابن البواب کا سنہ پیدائش ۳۵۰ھ ہے۔ اس کا باپ آل بویہ کا دربان تھا۔ اسی نسبت سے اس کی یہ کنیت مشہور ہوئی۔ بچپن میں کاریگروں کے ساتھ چھتوں اور کھڑکیوں کی پالش اور رنگ و روغن کا کام کرتا تھا۔ پھر خط کی طرف مائل ہوا اور اس میں وہ مقام حاصل کیا جو نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل ہوا نہ بعد میں۔[۶۲] دراصل ابن البواب ہی تھا جس نے ابن مقلہ کے ایجاد کردہ خطوں اور خصوصاً" خط نسخ کو نقطہ عروج پر پہنچایا۔[۶۳] حتیٰ کہ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ شاید خط نسخ کا بانی بھی ابن البواب ہی تھا۔[۶۴] مگر حقیقت یہی ہے کہ جس طرح ابن مقلہ نے دراصل قطبۃ الحرر کے شروع کیے ہوئے کام یعنی خط کوفی سے ایک' نئے آسان مگر خوبصورت خط کی ایجاد کو مکمل کیا[۶۵] اسی طرح ابن البواب نے ابن مقلہ کے کام یعنی خط نسخ و ثلث کو فنی و جمالیاتی نقطہ نظر سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔[۶۶] کوفی سے نسخ کی طرف سفر کا آغاز ابن مقلہ سے قریباً" سو ڈیڑھ سو سال پہلے ہوا تھا۔[۶۷] ابن مقلہ نے اس سفر کے لیے ایک ضابطہ اور طریق کار متعین کیا اور ابن البواب نے گویا اسے منزل مقصود پر پہنچا دیا۔

اگرچہ ابن البواب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ۳۹۱ھ کا ایک مصحف چسٹر بیٹی (Beatty Chester) کے مجموعے میں موجود ہے اور بعض تحریریں استنبول میں بھی محفوظ ہیں۔[۶۸] مگر افسوس ہے کہ ابن مقلہ کے یا ابن البواب سے پہلے کے کاتبین نسخ کے نمونہ ہائے خط نایاب ہیں۔[۶۹] لہٰذا یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا ابن مقلہ اصل انقلابی تھا یا ابن البواب۔ اس سلسلے میں معاصر یا قریبی عہد کے شاہدوں کے بیانات ہی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ دکتور صلاح الدین المنجد (بیروت) نے ایک قلمی نسخے "رسالۃ فی الکتابۃ المنسوبۃ" کے حوالے سے' جس کا مولف غالباً" ابن البواب کا معاصر ہے' یہ لکھا ہے کہ "اگرچہ محمد اور عبداللہ ابنائے مقلہ نے بھی خط نسخ و توقیع میں لکھا مگر وہ اس کے ماہر نہیں بن سکے۔ جیسا ابن البواب بنا۔"[۷۰] ابن

خلکان نے بھی "وفیات" میں ابن البواب کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "اگلوں پچھلوں میں اس جیسا خطاط نہیں ہوا۔"[۷۱] پھر ابن مقلہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ "ابن البواب نے اس فن کو مزید ترقی دی۔"[۷۲] ابن کثیر نے "البدایہ" میں لکھا ہے کہ "اس (ابن البواب) کا انداز خط اس قدر مشہور ہے کہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس نے ابن مقلہ سے عمدہ تر لکھا اور ابن مقلہ کے بعد اس سے بہتر خطاط نہیں ہوا۔ آج (آٹھویں صدی ہجری) تک لوگ ہر ملک میں اس کے طریقے ہی پر لکھتے چلے آئے ہیں۔"[۷۳] تقریباً یہی رائے یاقوت نے "معجم الادباء" میں[۷۴] قلقشندی نے "صبح الاعشیٰ" میں[۷۵] اور زرکلی نے "الاعلام" میں[۷۶] بیان کی ہے۔ یہ اور دیگر ماخذ اس بات پر متفق ہیں کہ آج ہر جگہ خطاطی اور خصوصاً خط نسخ بلحاظ ایجاد ابن مقلہ کا اور بلحاظ کمال ابن البواب ہی کا مرہون منت ہے اور یہ ابن البواب ہی ہے جس کا اثر ہر ملک کے خط نسخ پر نمایاں ہے۔

دکتور صلاح الدین المنجد نے حال ہی میں دسویں صدی ہجری کے ایک نامور مصری خطاط محمد بن حسن الطیبی کی کتاب "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" کے ایک قلمی نسخہ کو، جس کی اصل استنبول میں محفوظ ہے، مرتب کرکے فوٹولاک سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے مولف نے خط کی تعلیم کے قواعد اور قریباً سولہ مختلف خطوں کے نمونے پیش کیے ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ سب کچھ ابن البواب کے قائم کردہ نمونوں اور اصول خط کے مطابق ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ ابن البواب کے اسالیب خط پر اپنی قسم کی واحد اور پہلی کتاب ہے جس کا علم ہمیں ہوسکا ہے۔ نیز اس لحاظ سے بھی کہ اس میں بہت سے ایسے خطوں مثلاً رقاع، جلیل، ریاشی، ریحان، توقیع وغیرہ کے نمونے موجود ہیں۔ جن کے ہم کتابوں میں فقط نام ہی پڑھتے ہیں۔

ابن البواب کی وفات ۴۱۳ھ یا بروایت دیگر ۴۲۳ھ میں[۷۷] خلیفہ قادر باللہ کے عہد میں ہوئی۔ وہ احمد بن حنبل کے قریب مدفون ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں قرآن مجید کے چونسٹھ نسخے لکھے تھے۔ سید الشریف المرتضیٰ جیسی عظیم شخصیت نے اس کا مرثیہ لکھا، جو اس کی عظمت کی دلیل ہے۔[۷۸] ابن البواب کے بے شمار تلامذہ میں سے ایک محمد بن عبدالملک تھا۔[۷۹] جس کے نامور شاگردوں میں سے مشہور نامور خطاطہ اور محدثہ خاتون زینب بنت احمد الابرید الدینوریہ (المتوفی ۵۷۴ھ) تھی جو زیادہ تر شہدہ کے لقب سے مشہور ہے۔ اس خاتون سے بے شمار لوگوں نے علم حدیث اور تجوید خط کی تعلیم حاصل کی۔[۸۰] ازاں جملہ ابوالدر، امین الدین یاقوت بن عبداللہ المکی الموصلی (المتوفی ۶۱۸ھ) تھا۔ جو ملک شاہ سلجوقی کا درباری خطاط ہونے کے باعث "ملکی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[۸۱] اس یاقوت ملکی کے ایک شاگرد ولی عجمی (المتوفی ۶۱۸ھ) کے ذریعے ہی مصر میں خط

نسخ کے چند نامی خطاطوں کا ایک سلسلہ چل نکلا[۸۲] جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ اسی یاقوت ملکی کے معاصر ابوعبداللہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ الحموی الرومی صاحب "معجم البلدان" (المتوفی ۶۲۲ھ) کا ذکر اس دور کے مشہور خطاطوں میں ہوتا ہے۔[۸۳] اور اس کے تلامذہ میں سے عہد عباسی کا آخری اور عالم اسلامی کا سب سے مشہور خطاط یاقوت بن یاقوت بن عبداللہ الرومی المستعصمی (المتوفی ۶۹۹ھ) ہوا ہے۔[۸۴]

مستعصمی نے ابن البواب کے فن کو اوج کمال پر پہنچایا۔ مختلف خطوں پر معجزانہ قدرت کے علاوہ اس نے کتابت مصاحف کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا جسے بعد کے کئی خطاطوں نے اپنانے اور نباہنے کی کوشش کی۔ وہ قرآن کریم کی کتابت گیارہ سطریں فی صفحہ کے حساب سے کرتا تھا۔ ان سطروں میں سے پہلی، چھٹی اور گیارہویں سطر ذرا جلی قلم خط ثلث میں لکھتا تھا اور دوسری سے پانچویں اور ساتویں سے دسویں سطریں خط نسخ میں لکھتا تھا۔[۸۵]

سقوط بغداد (۶۵۶ھ) تک خط عربی کو عموماً اور خط نسخ کو خصوصاً جو عروج و ارتقاء نصیب ہوا، وہ یقیناً بلاد اسلامیہ کے سینکڑوں ہی ماہرین فن کا مرہون منت تھا۔ مگر عموماً مضبوط سیاسی مراکز ہی ثقافت و تہذیب کے گہوارے بنتے ہیں۔ کوفہ، بصرہ اور دمشق کے بعد عروس البلاد بغداد ہی کئی صدیوں تک اسلامی خطاطی کا بھی سب سے بڑا مرکز رہا۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد اسلامی سیاست کا مرکز ثقل مختلف ممالک میں تقسیم ہوگیا۔ اس طرح دوسرے ثقافتی و تہذیبی "شعائر" کی طرح اسلامی خط اور خصوصاً خط نسخ بھی مختلف مراکز میں نہ صرف قائم رہا بلکہ بعض علاقائی خصوصیات کے ساتھ ترقی پذیر ہوا۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیاست و ثقافت کی تاریخ کی طرح اس مابعد بغداد دور کے اسلامی خط اور خصوصاً خط نسخ کی تاریخ کے لیے بھی مختلف اسلامی ممالک پر نظر ڈالی جائے۔

ایران: سقوط بغداد کے بعد یاقوت مستعصمی کے نامور چھ شاگردوں نے جو "استادان شش گانہ" کے نام سے بھی یاد کیے جاتے ہیں، ایران میں خطاطی کا علم بلند رکھا۔ ان کے نام ارغون بن عبداللہ کاملی، یوسف مشہدی، نصراللہ طبیب ملقب بہ صدر عراقی، شیخ زادہ احمد السہروردی (اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے)، مبارک شاہ بن قطب تبریزی اور سید حیدر جلی نویس ہیں۔[۸۶]

ایل خانی دور میں خطاطی کے ساتھ ایران میں تذہیب کتب بھی کمال کو پہنچی۔ اس دور کے کئی مصاحف، جو الجائتو خدا بندہ کے ایما پر لکھے گئے، لائپزگ، قاہرہ، بوسٹن اور ڈبلن کے عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ عبداللہ بن محمد بن حمدان، عبداللہ الصیرافی (جو برصغیر ہند و پاک میں بھی آیا) اور

عبداللہ بن احمد بن مراغہ اس دور کے مشہور خطاط تھے۔[۸۷]

تیموری دور یعنی نویں صدی ہجری میں ایرانی خطاطی اور بھی عروج پر پہنچی۔ اس دور میں مشہور کاتب میر علی تبریزی نے خط نستعلیق ایجاد کیا جس نے اپنی خوبصورتی اور دلکشی کے باعث بہت جلد مشرقی ممالک میں ہر دلعزیزی حاصل کرلی۔ مگر اس کے باوجود کتابت مصاحف بدستور خط نسخ ہی میں جاری رہی۔ تیموری دور کے مشہور خطاطوں میں سے سلطان علی مشہدی' بایسنغر مرزا' ابراہیم سلطان بن شاہ رخ مرزا اور عبدالکریم تبریزی قابل ذکر ہیں۔[۸۸] اس دور میں شیراز اور ہرات خاص طور پر خطاطی اور تذہیب و نقاشی کے مرکز تھے۔

صفوی عہد میں بھی ایران میں خطاطی کو شاہی سرپرستی حاصل رہی اور ایران نے بڑے بڑے باکمال خطاط پیدا کیے۔ شاہ طہماسپ صفوی خود نامور خطاط تھا۔[۸۹] اگرچہ اس دور میں ایران میں خطاطوں نے اپنے فن کا کمال زیادہ تر خط نستعلیق میں ہی دکھایا' مگر خطاط کامل صرف اسے ہی سمجھا جاتا تھا جو نستعلیق کے علاوہ نسخ و ثلث بلکہ دیگر اقسام خط میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس عہد کے مشہور خطاطوں میں سے چند ایک قابل ذکر ہیں --- میر علی ہراتی' سلطان محمد نور ابن سلطان علی مشہدی' شاہ محمد محمود نیشاپوری جو شاہ اسماعیل کا منظور نظر کاتب تھا' ایران کا نامور خطاط میر عماد حسینی' جو شاہ عباس صفوی کا معاصر تھا' اور اس کی مشہور خطاطہ بیٹی گوہر شاد' علاؤ الدین تبریزی محمد ابراہیم قمی' مرزا احمد تبریزی اور محمد ہاشم اصفہانی۔[۹۰]

قاچاری دور کے مشہور خطاطوں میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: مرزا کوچک وصال شیرازی' زین العابدین اشرف الکتاب جو ناصر الدین قاچار کا درباری خطاط تھا اور غالباً ایران نے خط نسخ کا اس سے بہتر کاتب پیدا نہیں کیا' علی رضا پرتو اور نامور خطاطہ خاتون مریم بانو نائینی جو فتح علی قاچار کی معاصر تھی۔ یہ سب خطاط خاص طور پر خط نسخ میں مہارت اور کتابت مصاحف کے لیے مشہور ہیں۔[۹۱]

افغانستان: دوسرے مشرقی ممالک کی طرح افغانستان میں بھی' غزنویوں اور غوریوں کے عہد کے بعد خط نسخ زیادہ تر کتابت مصاحف کے لیے مخصوص ہوگیا۔ دوسرے مقاصد کے لیے زیادہ تر خط نستعلیق ہی استعمال ہوتا رہا۔ اگرچہ خود پشتو زبان عربی حروف میں بخط نسخ ہی لکھی جاتی ہے۔ ماضی قریب اور زمانہ حال کے نامور افغان خطاطوں میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں: زوجہ سردار عبدالقدوس خان افغانی جس کے خط کے بعض نمونے "مجلّہ کابل" میں شائع ہوتے رہے ہیں' فیض محمد افغانی' تاج محمد خان افغانی' سید عطا محمد افغانی' سلطان محمد خنداں' محمد داؤد الحسینی اور محمد ابشارہ۔[۹۲]

برصغیر پاک و ہند: برصغیر میں عربی خط سب سے پہلے محمد بن قاسم کے ساتھ آیا۔ جب عالم اسلامی میں خط نسخ کو فروغ حاصل ہوا تو کئی اسلامی ممالک نے اپنی اپنی زبانوں کی ابجد بھی مناسب علامات کے اضافوں کے ساتھ' عربی حروف بخط نسخ میں کرلی۔ مقصود یہ تھا کہ کسی ملک کی مسلم آبادی کو اپنی دینی و دنیاوی ضروریات کے لیے دو الگ الگ زبانوں کا رسم الخط نہ سیکھنا پڑے۔ اس قسم کی زبانوں میں سے دو پاکستانی زبانیں سندھی اور پشتو بھی ہیں۔ برصغیر میں ایرانی اثرات کے تحت خط نستعلیق کو زیادہ فروغ حاصل ہوا حتیٰ کہ ہندوؤں نے بھی خط نستعلیق اور شکستہ میں مہارت حاصل کی۔ دراصل سرکاری ضروریات کے لیے اس زمانے میں نستعلیق اور شکستہ جاننے والوں کی وہی پوزیشن تھی جو آج ایک اچھے سٹینو گرافر یا شارٹ ہینڈ نویس کی ہے۔ تاہم کتابت مصاحف کے لیے یہاں بھی خط نسخ ہی استعمال ہوتا رہا اور اس خط کے فنی جمال اور دینی تقدس نے برصغیر میں خط نسخ کے بڑے بڑے ماہر پیدا کیے۔ برصغیر کے مسلمان بادشاہوں کی قدر دانی نے ایران سے بھی کئی خطاطوں کو اپنے دربار میں کھینچ لیا۔ عالم اسلام کے بعض دیگر سلاطین کی طرح برصغیر میں بھی بعض بادشاہ خط نسخ کے ماہر ہوئے ہیں۔ ازاں جملہ ناصر الدین محمود اور اورنگ زیب عالمگیر کے نام مشہور ہیں۔ برصغیر کے مشہور خطاطوں میں سے مغلیہ دور کے آخر تک کے حسب ذیل خطاط قابل ذکر ہیں: اشرف خاں (معاصر اکبر)' خواجہ عبداللہ الصیرافی' خواجہ عبداللہ مروارید رقم' محمد حسین کشمیری زریں قلم' محمد سعید نصاری قاضی عصمت اللہ خان جو نسخ میں یاقوت ثانی کہلاتے تھے۔ سید علی خان جواہر رقم' عبدالرشید دیلمی' ہدایت اللہ زریں رقم' بدر الدین خان عالی مرصع رقم' میر گدائی مغلپوریہ' میر کرم علی' محمد تقی الخطیب' شیخ نور اللہ [۹۳] محمد حسین لاہوری جس نے تیس ورق میں قرآن کریم اس صنعت سے لکھا کہ پہلی سطر کے سوا باقی کی ہر ایک سطر حرف واؤ سے شروع ہوتی تھی اور محمد روح اللہ لاہوری جس نے ۱۱۰۹ھ میں مثمن شکل میں ۳۰۵ صفحات کا ایک مصحف پچاس دن میں مکمل کیا۔ اس کا قلمی نسخہ دارالکتب مصریہ (قاہرہ) میں موجود ہے۔[۹۴]

برطانوی دور میں' جو طباعت کا دور ہے' برصغیر میں نسخ کے جو نامور خطاط ہوئے ہیں ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: بمبئی میں سید علی رضوی' میرزا محمد علی اور الحاج محمد مکی' لکھنؤ میں منشی اشرف علی اور حامد علی مرصع رقم' دہلی میں منشی ممتاز علی نزہت رقم اور سید امیر الدین' دیوبند کے اشتیاق احمد' میرٹھ کے مومن حسین صفی' لودھیانہ کے منشی محمد قاسم سلطان القلم' گوجرانوالہ کے محمد عبداللہ وارثی اور محمد دین جنڈیالوی جن کی صاحب زادی فاطمہ الکبریٰ بھی خط نسخ کی عمدہ خطاطہ ہیں۔[۹۵]

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خط نسخ نے مختلف ملکوں اور مختلف علاقوں میں ایک مخصوص رنگ اختیار کیا ہے۔ جس سے وہ با آسانی پہچانا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں برصغیر کے اندر رائج خط نسخ کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں واضح طور پر چار دبستان کتابت نظر آتے ہیں:

(۱) بمبئی سکول، جس کے نمائندے میرزا محمد علی اور الحجاج محمد مکی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

(۲) دہلی سکول میں جس کا بہترین نمونہ منشی ممتاز علی نے پیش کیا۔

(۳) لکھنؤ سکول، جس کے نمائندہ منشی اشرف علی ہیں۔

(۴) گوجرانوالہ سکول جس کا نمائندہ محمد عبداللہ وارثی کا خط قرار دیا جاسکتا ہے۔

ہمارے خیال میں دہلی کے دبستان کتابت میں فنی جمال زیادہ ہے۔ برصغیر کے خطاطوں میں سے اس وقت حافظ محمد یوسف سدیدی اپنی فنی صلاحیتوں کے باعث سرفہرست ہیں۔

چین، ملایا، انڈونیشیا: ان ممالک میں اگرچہ اسلامی حکومت نہیں تھی تاہم مسلمانوں نے اپنی دینی ضروریات کے تحت یہاں بھی عربی خط کو اختیار کیا۔ چین میں عربی کتابت خصوصاً خط نسخ نے ایک مخصوص انفرادی رنگ اختیار کیا یہاں آئمہ مساجد عموماً اچھے کاتب نسخ بھی ہوتے تھے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے فان پاپا چینی طرز کے عربی نسخ کے ماہر تھے۔ اس وقت غالباً یحییٰ لیو پی ای، جو چین کی جمعیۃ اسلامیہ کے نائب صدر بھی ہیں اپنے ملک کے اچھے ماہرین نسخ خطاط میں سے ہیں۔ جاوا، ملایا وغیرہ میں بھی بعض دفعہ مقامی زبانیں بھی عربی حروف میں لکھی جاتی ہیں۔ ان علاقوں میں سے لوگ مصر اور حجاز میں جاکر بھی کتابت مصاحف کے لیے عربی خط نسخ سیکھ کر آتے رہے ہیں۔ جاوا کے محمد زہدی اور موسیٰ کلنتن، حجاز کے شیخ حلمی کے شاگرد، خط نسخ و ثلث کے اچھے خطاط مانے جاتے ہیں۔[۹۶]

عراق: جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، عباسی خلافت تک عراق ہی اسلامی خطاطی اور خط نسخ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ سقوط بغداد کے بعد کئی سو برس تک عراق میں عربی خطاطی اس لحاظ سے زوال پذیر رہی کہ یہاں کوئی نامی گرامی فن کار خطاط پیدا نہیں ہوا، یہاں تک کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میلادی میں ایران اور ترکی کے خطاطوں کے زیر اثر یہاں خطاطی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس نئے دور کے خطاطوں میں سے سفیان الوھبی (المتوفی ۱۸۴۸ء) نہایت نامور خطاط ہوا ہے۔ اس نے ترکی کے مشہور خطاطوں اور ان کے تلامذہ سے اس فن کی تحصیل کی مثلاً سید محمد صادق تلمیذ داماد ابراہیم عفیف، تیردار حسن الحلوصی اور نعمان الذکائی سے جو حافظ عثمان کے تلامذہ میں سے تھا۔ سفیان نے خط نسخ کے ایک خاص انداز میں نام پیدا کیا، حتیٰ کہ عراق میں یہ اسلوب خط سفیانی کے نام سے مشہور

ہوا۔ سفیان الوھبی کے تلامذہ میں سے غالب الفوزی' شہاب الدین الالوسی اور عبداللہ آفندی آلالوسی کے نام نمایاں ہیں۔ سفیان کے معاصر عراقی خطاطوں میں سے محمود الشنائی' صالح آفندی سعدی (موصل)' فضل اللہ آفندی اور محمد سعید النوری قابل ذکر ہیں۔[۹۷] عراق کے ماضی قریب اور زمانہ حال کے خطاطوں میں سے زیادہ مشہور نام یہ ہیں: علی آفندی صابر' محمد صالح الشیخ' محمد صبری الہلالی' کریم رفعت' صابر الاعظمی' ولید الاعظمی اور محمد ہاشم الخطاط۔ موخر الذکر بغداد کی انسٹی ٹیوٹ آف فائن آرٹس (معہد الفنون الجمیلہ) میں فن خطاطی کا پروفیسر ہے اور اس کا عراق ہی کے نہیں بلکہ غالباً" عالم اسلام کے بھی بہترین خطاطوں میں شمار ہوتا ہے۔[۹۸]

ترکی: سقوط بغداد کے بعد جو ملک اسلامی خطاطی اور خصوصاً" خط نسخ کے مرکز بنے ان میں ایران اور ترکی سرفہرست ہیں اور یہ دونوں ملک کئی صدیوں تک اس معاملے میں ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں حالانکہ کئی دفعہ ایک ملک کے خطاطوں نے دوسرے ملک سے یہ ہنر حاصل کیا۔ ترکی میں سلاطین عثمانی نے خاص طور پر خط کی سرپرستی کی۔ کئی ترک سلاطین خصوصاً" سلیمان ثانی' محمود ثانی اور مراد ثانی خود اعلیٰ پائے کے خطاط تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے امراء اور پاشا مشہور خطاط تھے۔ "مرآۃ الحرمین" کے مصنف ابراہیم رفعت پاشا نے لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں سلطان کا خاص خطاط ۴۰۰ پونڈ عثمانی ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔[۹۹]

سلیم اول کے زمانے میں مصر کی فتح کے بعد مصر کے نامور خطاطوں نے بھی آستانہ کا رخ کیا اور یوں ترکوں نے عراقیوں اور سلجوقیوں کے علاوہ فاطمیوں اور مملوکوں سے بھی خطاطی کا ورثہ پایا۔[۱۰۰] اس شوق اور قدر دانی کے نتیجے میں ترکی نے ایسے ایسے خطاط پیدا کیے جنہوں نے کتابت مصاحف اور خط نسخ میں تمام عالم اسلام سے ترکوں کی امامت تسلیم کرالی۔ ایرانیوں کے نستعلیق کی طرح ترکوں نے بھی دو خاص نئے خط ایجاد کیے یعنی خط طغرا اور خط ہمایونی جو زیادہ تر شاہی فرامین کے لیے استعمال ہوتے تھے۔[۱۰۱]

ترکی کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں مشہور خطاطوں میں سے چند اہم اور مشہور نام یہ ہیں: حمداللہ بن شیخ مصطفیٰ الاماسی' احمد شمس الدین قرہ حصاری' شہلا پاشا' حافظ عثمان بن علی (جو ترکی کا سب سے زیادہ مشہور کاتب مصاحف ہے)' حافظ عثمان المعروف قایش زادہ' اسماعیل حقی' مصطفیٰ نظیف قدرغہ لی' سعد آفندی ایساری' مصطفیٰ راقم' محمود جلال الدین' محمد عزت اور اس کا بھائی حافظ تحسین' عبداللہ الزھدی' محمد مونس آفندی زادہ' عبدالعزیز الرفاعی' الشیخ احمد الکامل' علی آفندی (جس نے خدیو مصر کے لیے سولہ ورق پر خط نسخ میں قرآن مجید لکھا)' درہ خانم' رشدیہ خانم' فاطمہ آنی اور بزم عالم والدۂ سلطان عبدالمجید خان۔[۱۰۲]

خلافت عثمانیہ کے آخری دور میں ترکی میں خطاطی عروج پر تھی۔ ۱۳۲۶ ہجری میں آستانہ میں تہذیب و ثقافت اور خطاطی کا ایک خاص سکول کھولا گیا تھا۔[۱۰۳] تاریخ کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ چند ہی برس بعد ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء میں ترکی نے جمہوریہ بننے پر عربی کی بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کیا اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے اپنے ایک بہترین اسلامی ثقافتی ورثے سے محروم ہوگیا۔

مصر: مصر میں عربی خط عہد فاروقی ہی میں پہنچ گیا تھا۔ مصر مشرقی و مغربی اسلامی ممالک کے درمیان ایک اہم مرکز رابطہ رہا ہے۔ عالم اسلامی میں خط عربی نے جو بھی مقبول و ہردلعزیز شکل اختیار کی مصر کے خطاطوں نے اسے اختیار کرلیا۔ فاطمی خلافت کے قیام سے پہلے کے مصری خطاطوں میں طیلب کاتب احمد بن طولون[۱۰۴] اور شراشیر المصری[۱۰۵] کے نام ملتے ہیں۔ فاطمی خلفا سیاست کی طرح ثقافت میں بھی خلافت بغداد کے حریف اور رقیب تھے۔ بغداد کو خطاطی کا مرکز دیکھ کر انہوں نے بھی خطاطی کی سرپرستی کی اور بغداد کی طرح بہت جلد فسطاط اور قاہرہ بھی خطاطی کے مشہور مرکز بن گئے۔ بعض فاطمی خلفاء خود اچھے خطاط تھے۔[۱۰۶] فاطمیوں کے بعد ممالیک کے دور میں بھی مصر میں بڑے مشہور خطاط پیدا ہوئے۔ ازاں جملہ شیخ شمس الدین بن علی الزفتاوی، احمد القلقشندی (صاحب "صبح الاعشیٰ") ہیں۔ یہ دونوں ولی عجمی کے واسطے سے جس کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں، یاقوت موصلی (ملکی) کے تلامذہ میں سے تھے۔ ان کے علاوہ شیخ زین الدین شعبان داؤد الاثاری (جس نے سب سے پہلے خطاطوں کے لیے اجازہ یا سند کا رواج ڈالا) اور عبدالرحمان ابن الصائغ اس دور کے مشہور مصری خطاط ہیں۔[۱۰۷]

سلیم اول کے زمانے میں مصر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوگیا۔ چنانچہ یہاں کے مشہور خطاط بھی آستانہ چلے گئے اور ترکی میں خطاطی کے عروج کا باعث بنے۔[۱۰۸] گذشتہ صدی میں جب محمد علی پاشا مصر پہنچا تو اس نے ترکی کے بعض مشہور خطاطوں کو بھی اپنے ہاں ملازم رکھا اور ان سے عمارات پر کتبات لکھوانے کا کام لیا۔[۱۰۹] خدیو اسماعیل نے خطاطی کی مزید قدر دانی کی۔ اس نے مشہور ترکی خطاط عبداللہ الزہدی کو مدرسہ خدیویہ میں مدرس خط مقرر کیا۔[۱۱۰] احمد فواد الاول نے ۱۹۲۱ء میں ترکی کے مشہور عالم خطاط عبدالعزیز الرفاعی کو اپنے لیے ایک خاص مصحف لکھنے کے لیے بلایا، رفاعی نے چھ ماہ میں قران پاک کا یہ نسخہ مکمل کیا۔ مزید آٹھ ماہ اس کی نقاشی اور تذہیب پر صرف ہوئے۔ اس طرح چودہ ماہ میں یہ عجوبہ روزگار نسخہ تیار ہوا۔[۱۱۱] اسی فواد الاول نے اکتوبر ۱۹۲۲ء میں "مدرسہ تحسین الخطوط الملکیہ" کھولا۔ اس مدرسے کے صدر مدرس یہی عبدالعزیز الرفاعی مقرر ہوئے۔ ان کے علاوہ الحاج احمد الکامل، محمد مونس آفندی زادہ اور معمار زادہ محمد علی الخطاط المزحوف بھی اس مدرسہ میں خطاطی اور تذہیب کی تعلیم دیتے تھے۔[۱۱۲]

جب ترکی نے لاطینی رسم الخط اختیار کیا تو ترکی کے متعدد فن کار خطاط بے کار ہوکر مصر پہنچے۔ ترکی سے مصر میں ہجرت کر کے آنے والے خطاطوں میں سے یہ نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں: حسین آفندی، رضوان آفندی، سعد آفندی ابراہیم، فواد آفندی، خالد ارض روی، محمد آفندی حلبی اور محمد آفندی مزروق۔ ان میں سے اکثر نے قاہرہ، اسکندریہ اور منصورہ میں تعلیم خط کے لیے شبینہ سکول کھول لیے۔[۱۱۳] اسی طرح ترکوں نے سلیم اول کے زمانے میں مصریوں سے جو فن سیکھا تھا، قریباً" چار سو سال بعد پھر مصر والوں کو سکھلایا۔ اور مصر میں خطاطی اور خصوصاً" نسخ و ثلث کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنے۔ ترکی خطاطوں کے مصری تلامذہ میں سے محمد جعفر، محمد الجمل، احمد عفیفی، علی ابراہیم، عبدالفتاح خلیفہ، محمد علی المکاوی، نجیب ھوادینی، محمد محفوظ، شیخ علی بدوی اور شیخ حسین حسنی نے بہت نام پیدا کیا ہے۔ ان میں سے یوسف آفندی احمد مصر میں خط کوفی کے احیاء کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔[۱۱۴]

جزیرہ نمائے عرب اور شام و لبنان میں اس وقت جو مشہور خطاط موجود ہیں یہ سب بھی انہی ترکی اور مصری اساتذہ کی پیداوار ہیں۔ حجاز کے موجودہ مشہور کاتبوں میں سے شیخ حلمی، شیخ سلیمان عزاوی، رشید سنبل، عبدالقادر شلبی کے علاوہ محمد طاہر بن عبدالقادر الکردی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۱۱۵] طاہر کردی نے ہی مصحف مکہ مکرمہ کی کتابت کی ہے، جو حکومت سعودی عرب کا پہلا اپنا مطبوعہ مصحف ہے۔ طاہر کردی متعدد کتب کا مصنف بھی ہے۔ جن میں سے ایک اہم کتاب "تاریخ الخط العربی و آدابہ" کے حوالے سے اس مضمون میں بکثرت آئے ہیں۔ لبنان کے کاتبوں میں سے کامل البابا اور فواد اسطفان مشہور ہیں۔

افریقہ اور اندلس: مصر سے مغرب کی طرف کے افریقیائی ممالک اور اندلس (سپین) میں خط ایک مخصوص اور ممتاز صورت میں ارتقاء پذیر ہوا جسے مجموعی طور پر "خط مغربی" کہا جاتا ہے۔ یہ خط براہ راست خط کوفی سے نکلا ہے، خط نسخ سے نہیں، مگر اپنے اصول و قواعد میں خط نسخ سے مشابہ ہے۔

تیسری صدی ہجری سے پہلے تک مغرب میں بھی خط کوفی رائج اور متعارف تھا۔ غالباً" تیسری یا چوتھی صدی میں قیروان میں، جو ۵۰ھ میں آباد ہوا تھا، موجودہ مغربی خط کی بنیاد پڑی۔ بہرکیف مغربی خط کے قدیم ترین نمونے چوتھی صدی ہجری کے بعد ہی کے ملتے ہیں۔ جب تک قیروان بنو اغلب کا صدر مقام اور شمالی افریقہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز رہا، یہ خط قیروانی خط کہلاتا رہا۔ بعد میں اسے مغربی کہا جانے لگا۔[۱۱۶] اندلس میں ایک خاص قسم کا خط نسخ ایجاد ہوا جسے اندلسی یا قرطبی خط کہتے ہیں۔ الحمرا کے کتبات خط کوفی اور اندلسی نسخ دونوں میں ہیں۔[۱۱۷]

تونس اور الجزائر کے خط کا ہمارے ہاں کے خط نسخ سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ البتہ مراکش کا خط کافی مختلف ہے۔ ۱۱۰ھ میں ٹمبکٹو کا شہر باد ہوا جو وسطی افریقہ میں اسلامی حکومت کا مرکز تھا۔ بہت جلد بغداد' قاہرہ اور قرطبہ کے طرح ٹمبکٹو بھی اسلامی ثقافت کا چوتھا مرکز شمار ہونے لگا۔ بارہویں صدی ہجری تک بھی اس شہر کی اہمیت مسلمہ تھی۔ یہیں عربی خط کی وہ قسم پروان چڑھی جسے ٹمبکٹی یا سوڈانی خط کہا جاتا ہے۔[۱۱۸] نائیجیریا' گنی اور گھانا میں یہی خط کتابت مصاحف کے لیے مستعمل ہے۔ اس خط کی ذرا متفاوت شکل سوڈان' حبشہ' صومالیہ اور زنجبار کے مسلمانوں میں رائج ہے۔[۱۱۹] نائجیریا کے شہید وزیراعظم احمد ویلو علیہ الرحمہ مغربی افریقہ کی سب سے زیادہ استعمال ہونے والی زبان "ھوسا" کو بدستور عربی نسخ رسم الخط میں لکھنے کے زبردست حامی تھے۔ جب کہ ان کے مخالفین لاطینی خط کے حق میں تھے۔

اس طرح اسلام کے ساتھ ساتھ عربی خط بھی دنیا کے ہر اس ملک میں متعارف ہوا جہاں مسلمانوں کے قدم پہنچے۔ خط کی تحسین و تجوید بلکہ ایجاد و اختراع کے مراکز زیادہ تر عراق' ایران' مصر اور ترکی ہی رہے۔ ان مراکز سے نکلنے والا ہر خط دنیا کے بیشتر اسلامی علاقوں میں پھیل گیا' مگر عالم اسلام میں سب خطوں سے زیادہ خط نسخ ہی نے رواج پایا۔ افریقہ' ایشیا اور یورپ کے اکثر مسلمان آبادی والے ملکوں نے اپنی زبانوں کے لیے بھی عربی حروف بخط نسخ اپنالیے۔ البتہ ہر زبان کی صوتی ضروریات کے تحت حروف کی علامات اور ترتیب و تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ ان ملکوں میں بربر' سوڈان' حبشہ' صومالیہ' زنجبار' مڈغاسکر' نائجیریا' گنی' ایران' ترکی آذربائیجان' ترکستان' افغانستان' برصغیرپاک و ہند' ملایا' چین' انڈونیشیا' سسلی' اٹلی' البانیہ اور جزیرہ نمائے بلقان سب ممالک شامل ہیں۔ ان میں سے بعض ملکوں مثلاً ایران' برصغیرپاک و ہند نے مقامی زبان کے لیے عربی حروف خط نستعلیق کے ساتھ اختیار کیے' مگر ایسے ملکوں میں بھی قرآن کریم اور دینی کتب کے لیے بدستور خط نسخ ہی استعمال ہوتا رہا۔ ایران سب سے پہلا اسلامی ملک ہے جس نے کتابت مصاحف میں بھی خط نستعلیق کو استعمال کیا ہے۔ مگر یہ محض جدت کی حد تک جاذب نظر بنا' عام رواج نہیں پاسکا۔ ناظرہ خوانی کے نقطہ نظر سے تو قرآن کریم کے لیے نستعلیق کا استعمال یکسر ناقابل عمل اور نقصان دہ ہے۔

عام روزمرہ کی عملی ضروریات کے علاوہ خالص آرائشی مقاصد کے لیے بھی خط نسخ کی ایجاد کے بعد کوئی خط مقابلے پر نہ ٹھہر سکا۔ فن کاروں نے زیادہ سے زیادہ اسی خط میں مختلف صنایع پیدا کیں' مثلاً خط گلزار' خط غبار' خط بہار' خط ناخون' خط لرزاں' خط ماہی' خط تواماں' اور طغرا وغیرہ ایجاد کیے۔ مگر یہ سب خط چونکہ محض تخیل کی پیداوار تھے' مفید ثابت نہیں ہوئے۔ انتہائی آرائشی

رجحان بھی خط کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہی چیز خط کوفی کے زوال کا باعث بنی۔ صرف نستعلیق ہی ایسا خط ہے جو گزشتہ چار سو برس سے خط نسخ کے مقابلے پر اپنی خوبصورتی اور افادیت کے باعث جم گیا ہے۔ اگرچہ کتابت مصاحف کے لیے اختیار کیے جانے کا اعزاز ہر جگہ خط نسخ کو ہی حاصل رہا ہے' حتیٰ کہ اسی لیے اس خط کو اب "حروف القرآن" بھی کہتے ہیں اور اس طرح یہ اسلامی اتحاد کی ایک علامت بھی قرار پایا ہے۔

ہمارے زمانے میں طباعت اور ٹائپ کی ایجاد نے ایک دفعہ پھر خط نسخ کی برتری کا ثبوت مہیا کردیا ہے۔ خط نسخ میں بیسیوں قسم کے خوبصورت ٹائپ ڈھل چکے ہیں اور اس سے کہیں زیادہ قسم کے نمونوں میں ڈھلنے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ دور حاضر کی طباعت کی طلسماتی سرعت کا ساتھ عربی حروف میں اگر کوئی خط دے سکتا ہے تو لاریب وہ صرف خط نسخ ہی ہے۔ طباعت کی ضروریات نے اہل ایران کو بھی خط نسخ اختیار کرنے پر مجبور کردیا ہے۔[۱۳۰] عربی حروف کی استعداد مد و مط اور استمداد و رجع وغیرہ یعنی ان کے سکڑنے' پھیلنے' مڑنے' ڈھلنے' ابھرنے اور دبنے کی حیرت انگیز صلاحیت کو جس حسین و نفع بخش طریقے پر خط نسخ کے قواعد میں ملحوظ رکھا گیا ہے اس سے دوسرے خط محروم ہیں' اور صرف یہی (نسخ) وہ خط ہے جو عربی حروف کی بیشمار اقلام و اقسام میں سے افادیت و استعمال اور لطافت و جمال کا حسین امتزاج لیے ہوئے ہے۔

اس کے ساتھ ہی طباعت کی ایجاد نے دوسرے علوم کی طرح خط نسخ کی تعلیم میں بھی بہت آسانیاں بہم پہنچا دی ہیں۔ اگرچہ بعض قدیم اساتذہ نے بھی تعلیم خط پر بعض رسائل یا کتابیں لکھی تھیں۔[۱۳۱] مگر اس میں دقت یہی ہوتی تھی کہ بیک وقت ایک کتاب ایک طالبعلم کے لیے ہی استاد کا نمونہ خط پیش کرسکتی تھی۔ اب طباعت کی بدولت کسی ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک کے خطاط کے فن اور اس کے طریقہ تعلیم فن سے مستفید ہوسکتا ہے۔ پچھلے پچاس ساٹھ برس میں ترکی' مصر' حجاز اور عراق بلکہ برصغیر میں بھی کئی خطاطوں نے خط نسخ کی مشق کے لیے کراسات یعنی خوشخطی کی مشقی کاپیاں شائع کی ہیں۔[۱۳۲] محکمہ تعلیم حکومت مغربی پاکستان کے زیر اہتمام حالیہ تربیتی کورس برائے ترویج خط نسخ نے ثابت کردیا ہے کہ خط نستعلیق کے مقابلے میں خط نسخ پر نسبتاً کم وقت میں قدرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) "جامع محاسن کتابتہ الکتاب" ص ٦

(۲) مثلاً دیکھئے "دیوان حسانؓ" چوتھے قصیدے کا مطلع یا "معلقہ لبیدؓ" کا دوسرا شعر۔ امرؤالقیس کے بھی اس قسم کے اشعار ہیں۔

(۳) "صبح الاعشیٰ" ج ۳، ص ۱۰، ۱۱

(۴) "مقدمہ" ص ۷۴۴۔ ۷۴۶ (ملخصاً)

(۵) "صبح الاعشیٰ" ج ۳، ص ۱۳

(٦) "مقدمہ" ص ۷۴۵

(۷) "قصتہ الکتابہ العربیہ" ص ۹ ۔ ۱۰

(۸) "مقدمہ" ص ۷۴۷

(۹) "فتوح البلدان" ص ۴۷٦

(۱۰) "الفہرست" ص ۱۳

(۱۱) سورۂ القریش : ۲

(۱۲) "قصہ الکتابہ العربیہ" ص ۱۵

(۱۳) ایضاً" ص ۱۸ ۔ ۲۰

(۱۴) ایضاً" ص ۲۲

(۱۵) ایضاً"، : A Monograph on Muslim Calligraphy, P-16

(۱٦) "قصة الكتابة العربيه" ص ۱۷

(۱۷) ایضاً" ، ص ۱۸ : "تاریخ الخط العربی" ص ۷

(۱۸) "تاریخ الخط العربی" ص ۷

(۱۹) "قصة الكتابة العربيه" ص ۲۴

(۲۰) ایضاً" ، ص ۲٦ ۔ ۲۸

(۲۱) ایضاً" ، ص ۲٦

(۲۲) "تاریخ الخط العربی" ص ۸ تا ۱۴

(۲۳) مفتوحہ ممالک میں باقی تمام دفاتر سابقہ مقامی سرکاری زبانوں میں کام کرتے رہے۔

(۲۴) "تاریخ الخط العربی" ص ۶۹

(۲۵) "سرفراز" ص ۲۵ ' ۴۵

(۲۶) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۱۴ ' ۲۱۵

(۲۷) ایضاً" ص ۱۱۱ : "قصة الکتابة العربیه" ص ۵۶

(۲۸) "الفہرست" ص ۳۸

(۲۹) "تاریخ الخط العربی" ص ۶۵

(۳۰) "قصة الکتابه العربیه" ص ۵۶

(۳۱) ایضاً" ص ۴۹ ـ ۵۵

(۳۲) ایضاً" ص ۷۸ : "تاریخ الخط العربی" ص ۱۴

(۳۳) A Monography on Muslim Calligraphy P 2122

(۳۴) "قصة الکتابة العربیه" ص ۵۶

(۳۵) "تذکرۂ خوشنویساں" ص ۱۸ ' ۱۹

(۳۶) ایضاً" ص ۱۹

(۳۷) "الفہرست" ص ۱۵

(۳۸) ایضاً" ' ص ۱۶

(۳۹) "صبح الاعشیٰ" ص ۳' ص ۱۵' A Monography on Muslim Calligraphy, P 17-81

(۴۰) "الفہرست" ص ۱۶

(۴۱) "صبح الاعشیٰ" ج ۳' ص ۱۶

(۴۲) "الفہرست" ص ۱۹ ـ "تاریخ الخط العربی" ص ۳۵۱

(۴۳) "تاریخ الخط العربی" ص ۳۵۲

(۴۴) ایضاً" ' ص ۱۷۲

(۴۵) "وفیات الاعیان" ج ۴' ص ۱۹۸ ـ ۲۰۲ (ملخصاً")

(۴۶) "تحقیقات ماہر" ص ۱۷ : "صحیفہ خوشنویساں" ص ۳۲

(۴۷) "صبح الاعشیٰ" ج ۳' ص ۱۷ (ترجمہ : میرا آنسو مسلسل میری گال پر بہہ رہا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں' کیونکہ وہ آخری آنسو ہے)۔ شعر میں "مقلہ" (بمعنی دیدۂ چشم) کی تجنیس سے لطف پیدا ہوگیا ہے۔ عربی زبان میں آنسو کو محاورۃ "ابن مقلہ" کہتے ہیں۔

(۴۸) "تاریخ الخط العربی" ص ۳۵۱ (ترجمہ : سجان کی فصاحت' ابن مقلہ کا خط' لقمان کی حکمت اور مریم کی عفت جب ایک شخص میں جمع ہوجائیں تو خواہ وہ مفلس و نادار ہی کیوں نہ ہو' اس کو مال و دولت سے خریدا نہیں جاسکتا)۔

(۴۹) "قصۃ الکتابۃ العربیہ" ص ۶۳

(۵۰) ایضاً" ص ۶۶ ۔ ۶۹ (ملخصاً) "صبح الاعشی" ج ۳' ص ۲۸

(۵۱) "ارژنگ چین" ص ۳

(۵۲) "تحقیقات ماہر" ص ۷۲

(۵۳) "الفہرست" ص ۱۹ ۔ ۲۰

(۵۴) A Monography on Muslim Calligraphy, P 45

(۵۵) ایضاً" ' ص ۷ ' ۸

(۵۶) ایضاً" ' ص ۴۵' ۴۷

(۵۷) A Handbooks of Muhammadan Art, P - 68 "قصۃ الکتابۃ العربیہ" ص ۱۰۱

(۵۸) A Monography on Muslim Calligraphy, P - 45

(۵۹) "تاریخ الخط العربی" ص ۱۰۱

(۶۰) "صبح الاعشی" ج ۳' ص ۱۷

(۶۱) ایضاً"

(۶۲) "معجم الادباء" ج ۵' ص ۴۴۵

(۶۳) "صبح الاعشی" ج ۳' ص ۳

(۶۴) "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" ص ۶

(۶۵) "تاریخ الخط العربی" ص ۷

(۶۶) "صبح الاعشی" ج ۳' ص ۱۵

(۶۷) ایضاً"

(۶۸) "کارنامہ بزرگان ایران" ۲۴' ۴۴۷

(۶۹) "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" ص ۶۔ دکتور المنجد' جو اس وقت عربی مخطوطات کے بہترین ماہروں میں سے ہیں' نے یہی لکھا ہے۔ مگر یہ مضمون لکھ چکنے کے بعد میں نے دیکھا کہ رضا لائبریری رام پور کے عربی مخطوطات کی فہرست (جلد اول) مرتبہ امتیاز علی عرشی میں ابن

مقلہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ایک قرآن مجید کا ذکر ہے۔ "صحیفہ خوشنویساں" میں بھی (ص ۳۱ پر) اس کا ذکر اور اس کے آخری صفحہ کی فوٹو بلاک تصویر بھی دی ہے (پلیٹ نمبر ۷) خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تحریر ضرور ابن البواب سے پہلے کے زمانے کی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۷۰) "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" ص ۶

(۷۱) "وفیات" ج ۳، ص ۲۸

(۷۲) ایضاً۔ ج ۴، ص ۲۰۱

(۷۳) بحوالہ "جامع محاسن الکتابۃ الکتاب" ص ۶۔ (البدایہ" ج ۱۲، ص ۱۴)۔

(۷۴) "معجم الادباء" ج ۵، ص ۳۴۵

(۷۵) "صبح الاعشیٰ" ج ۳، ص ۱۷

(۷۶) "الاعلام" ج ۲، ص ۷۰۴

(۷۷) "وفیات" ج ۳، ص ۲۸ : "کارنامہ بزرگان ایران" ص ۲۴، "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" ص ۶

(۷۸) "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" ص ۶

(۷۹) "صبح الاعشیٰ" ج ۳، ص ۱۸

(۸۰) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۹۶

(۸۱) "وفیات" ج ۵، ص ۱۷۰: "معجم الادباء" ج ۷، ص ۲۶۸

(۸۲) "صبح الاعشیٰ" ج ۳، ص ۱۸

(۸۳) "وفیات" ج ۵، ص ۱۷۸: "الاعلام" ج ۳، ص ۱۱۴۲

(۸۴) "تذکرۂ خوشنویساں" ص ۲۳، ۲۴

(۸۵) "ذکری میلاد الرسول" (مجلّہ) ص ۱۲۱

(۸۶) "کارنامہ بزرگان ایران" ص ۳۴

(۸۷) A Handbook of Muhammadan Art, P - 69

(۸۸) "کارنامہ بزرگان ایران" ص ۴۴۱ (ملخصا)

(۸۹) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۷۹

(۹۰) "کارنامہ بزرگان ایران" ص ۴۴۱ (ملخصاً")

A Handbook of Muhammadan Art, P - 75

(۹۱) "کارنامہ بزرگان ایران" ص ۴۴۱

(۹۲) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۲۲ بعد (ملخصاً") : نیز ص ۳۰۱' ۴۰۶
(۹۳) "تذکرۂ خوشنویساں" ص ۲۴ ۔ ۲۶ (ملخصاً")
(۹۴) "تاریخ الخط العربی" ص ۳۶۴
(۹۵) روئداد نمائش طباعت قرآن کریم منعقدہ اسلامیہ کالج لاہور' مارچ ۱۹۶۱ء
(۹۶) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۵۶
(۹۷) مجلّہ "الادب والفن" ج ۳ ع ۳ ص ۲ ۔ ۷
(۹۸) مجلّہ "بغداد" اگست ۱۹۶۵' ص ۲۸ ۔ ۳۰
(۹۹) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۸۰ ۔ ۲۸۸
(۱۰۰) "قصۃ الکتابۃ العربیہ" ص ۷۴
(۱۰۱) ایضاً" ' ص ۷۶
(۱۰۲) "تاریخ الخط العربی" ص ۲۹۵ ۔ ۳۱۳ (ملخصاً")
(۱۰۳) ایضاً" ' ص ۷۳
(۱۰۴) "الفہرست" ص ۱۲
(۱۰۵) "صبح الاعشیٰ" ' ج ۳' ص ۱۷
(۱۰۶) "الخط العربی" ص ۱۹ ۔ ۲۰
(۱۰۷) "صبح الاعشیٰ" ج ۲' ص ۱۸
(۱۰۸) "الخط العربی" ص ۱۴
(۱۰۹) "قصۃ الکتابۃ العربیہ" ص ۸۳
(۱۱۰) ایضاً" ص ۸۴
(۱۱۱) "تاریخ الخط العربی" ص ۱۴۳ و ۳۸۶
(۱۱۲) "قصۃ الکتابۃ العربیہ" ص ۸۴
(۱۱۳) "الخط العربی" ص ۲۰
(۱۱۴) "قصۃ الکتابۃ العربیہ" ص ۵۸ ۔ ۸۶ : "تاریخ الخط العربی" ص ۳۵۸ ۔ ۴۱۳ (ملخصاً")
(۱۱۵) ایضاً" ' ص ۳۷۲ ۔ ۳۷۸
(۱۱۶) ایضاً" ' ص ۱۱۷ A Monography of Muslim Calligraphy, P - 54
(۱۱۷) A Monography on Muslim Calligraphy, P - 57

(۱۱۸) "تاریخ الخط العربی" ص ۱۱۸

(۱۱۹) "قصة الکتابة العربیه" ص ۴۱ ـ ۴۵

(۱۲۰) نیز دیکھیے "صحیفہ خوشنویساں" ص ۳۶

(۱۲۱) بعض کا ذکر "صبح الاعشیٰ" ج ۳، ص ۱۴ تا ۱۸ پر ہے۔

(۱۲۲) تفصیل کے لیے دیکھیے "تاریخ الخط العربی" ص ۱۴۶ تا ۱۴۹

المراجع

(اس فہرست المراجع میں سے ایک دو نایاب کتب کے استعمال کے لیے مضمون نگار خصوصاً مولوی شمس الدین صاحب، مسلم مسجد، لاہور کا شکر گزار ہے)

(۱) ابن الندیم (الفہرست) المکتبہ التجاریہ قاہرہ، سنہ ندارد۔

(۲) البلاذری "فتوح البلدان" مطبعۃ الموسوعات مصر، ۱۳۱۹ھ۔

(۳) ابن خلکان "وفیات الاعیان" مکتبہ النہضۃ، قاہرہ، ۱۹۴۸ء۔

(۴) ابن خلدون "مقدمہ" دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۹۴۱ء۔

(۵) احمد القلقشندی "صبح الاعشیٰ" امیریہ مصر، ۱۹۱۴ء۔

(۶) یاقوت الحموی "معجم الادباء" مطبعہ ہندیہ مصر، ۱۹۲۸ء۔

(۷) محمد طاہر الکردی "تاریخ الخط العربی و آدابہ" مکتبہ الہلال مصر، ۱۹۳۹ء۔

(۸) غلام محمد ہفت قلمی "تذکرۂ خوشنویساں" ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، ۱۹۱۰ء

(۹) ابراہیم جمعہ، "قصۃ الکتابۃ العربیہ" دار المعارف مصر، ۱۹۴۷ء۔

(۱۰) محمود علی خاں "تحقیقات ماہر" دہلی، ۱۹۳۴ء۔

(۱۱) محمد حسین الطیبی "جامع محاسن کتابۃ الکتاب" مرتبہ دکتور المنجد، بیروت، ۱۹۶۲ء۔

(۱۲) دیبی پرشاد "ارژنگ چین" نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۳۱ء۔

(۱۳) زکی صلح "الخط العربی" وزارۃ تعلیم مصر، ۱۹۴۱ء۔

(۱۴) "کارنامہ بزرگان ایران" نشریہ کل انتشارات رادیو ایران۔

(۱۵) احترام الدین احمد "صحیفہ خوشنویساں" انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء۔

(۱۶) Dimand, A Handbook of Muhammadan Art, New york, 1947

(۱۷) Ziauddin, A Monograph on Muslim Calligraphy, Calcutta, 1936

(۱۸) مجلّہ "ذکری میلاد الرسول" بغداد ۱۹۴۹ء ـ مضمون "تاریخ الخط العربی" بقلم محمد ہاشم۔

(۱۹) مجلّہ "الادب و الفن" لندن، شمارہ ۳، ۱۹۴۵ء ۔ مضمون "صفحہ من تاریخ الخط فی العراق" بقلم عباس الفراوی۔
(۲۰) مجلّہ "بغداد" عراق، شمارہ ۲۱ اگست ۱۹۶۵ء۔ مضمون "اعلام الفن فی بغداد" بقلم ولید الاعظمی۔
(۲۱) رسالہ "سرفراز" علوی خطاطی نمبر، لکھنؤ، جنوری ۱۹۵۹ء، شمارہ ۲۵، جلد ۳۶
(۲۲) نمائش طباعت قرآن کریم، اسلامیہ کالج لاہور ۱۹۶۱ء (روئداد)